

تحریک اور جمود

سید اسعد گیلانی

(۳)

افسوس ہے کہ میرے اس مضمون کے پچھلے قسط میرے (صفحہ ۳۲ پر) برہنہ نئے نسامع بیہ درج ہو گیا ہے کہ ”جنگ اُخدا میرے مشہور صحابیہ خنساءؓ اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں۔“ یہ جنگ احد کا نہیں بلکہ جنگ قادسیہ کا واقعہ ہے جو تاریخ میں ہونے لگی تھی۔ قارئین سے معذرت کے ساتھ درخواست ہے کہ وہ اسے مقام کی تصحیح فرما لیں۔

اسعد گیلانی

کسی تحریک میں جمود پیدا ہونے چلے جانے کے اسباب صرف اخلاقی اور اصولی ہی نہیں ہوتے بلکہ تنظیمی اور اجتماعی بھی ہوتے ہیں۔ ان اسباب کے پیدا ہونے اور بڑھتے چلے جانے سے بھی جمود پیدا ہوتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تحریک میں مثالی کرداروں کی کمی | کسی تحریک کی دعوت کا فہم حاصل کر کے ہی لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں، لیکن ہر داخل ہونے والے میں فہم اور جذبہ دونوں چیزیں یکساں نہیں ہوتیں۔ نہ ان پر تحریک کی دعوت کا اثر اور عمل یکساں ہوتا ہے اور نہ ان میں اس کا رد عمل ہی یکساں ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ان میں تحریک اور اس کی دعوت کے لیے سرگرمی، لگن اور ایثار و قربانی کے جذبات بھی یکساں نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ آہستہ آہستہ نصب العین کی منزل کی طرف رواں ہوتے ہیں، کچھ تیز تیز چلتے ہیں، اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی ساری توجہات اور محنتوں کا مرکز اور اپنی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کا محور اسی کو بنا لیتے ہیں اور اپنی خدا داد استعداد و انہماک اور فہم و عمل کی یکسوئی سے نصب العین کے راستے پر بہت دور آگے نکل جاتے ہیں۔ اسلامی تحریک میں انہی

غیر یکساں ایمانی کیفیات کو ایمان کے نین مدارج میں بیان کیا گیا ہے حضور نے ارشاد فرمایا،

مَنْ سَأَىٰ مِنْكُمْ مُّسْكِرًا فَلَيْسَ بِيَدِي، فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (بخاری،

ترجمہ۔ اگر کوئی کسی بڑائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے۔ اور اگر یہ اس کے بس سے باہر ہو تو زبان سے اس کی مذمت کرے۔ اور اگر یہ بھی اس کے بس سے باہر ہو تو دل میں اسے بُرا سمجھے، اور یہ ایمان کی کمزور ترین صورت ہے)۔

دوسری جگہ فرمایا کہ اس سے نیچے اتنا ایمان بھی نہیں ہے جتنی اُرد پر سفیدی ہوتی ہے۔

گویا نizam باطل کے خلاف لڑنے والی داخلی قوت — ایمان — کو تین درجوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ ایمان کی وہ قوت جو بُرائی کے وجود کو قطعاً برداشت نہیں کرتی اور اسے بزورِ بازو مٹا دینے کا داعیہ رکھتی ہے، درجہ اول کی مطلوب قوت ہے۔ یہی قوت باطل کے خلاف اپنا جہاد و موت و زیست گرم رکھتی ہے۔ یہی قوت رکھنے والے کارکنوں سے باطل کے خلاف جدوجہد کرنے والی تحریکِ اسلامی کی صفِ اول مرتب ہوتی ہے۔ دعوت کو سننے اور قبول کرنے کے بعد ایمان کی دوسرے درجے کی قوت وہ ہوتی ہے جو باطل کو دیکھ کر اس سے لڑ جانے اور بزورِ بازو اسے مٹا دینے کی ہمت تو نہیں رکھتی، لیکن اس کے خلاف زبان کا جہاد ضرور کرتی ہے۔ یہ بھی ایک اہم کام ہے۔ چنانچہ سلطانِ جابر و ظالم کے خلاف اس قوت کے استعمال کو بھی جہادِ کبیر کہا گیا ہے۔ یہ قوت بھی مطلوب و محبوب ہے اور اس سے اسلامی تحریک کی وہ صف تیار ہوتی ہے جو ہمیشہ دعوت کو سر بلند رکھتی ہے اور صفِ اول میں پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرتی رہتی ہے۔ اس کے بعد ایمان کا وہ تیسرا درجہ ہے جس میں انسان کا ضمیر بیدار ہوتا ہے۔ باطل کی تہرانی پر اس کا دماغ سوچتا ہے، دل گرگھٹتا ہے، ضمیر روتا ہے اور سینہ جلتا ہے، لیکن

ع لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

کے مصداق دعوتِ حق نہ عمل بن کر ہاتھ اور پاؤں سے ظاہر ہوتی ہے اور نہ قول بن کر لبوں پر آتی ہے۔ بس گڑھن اور چھین بن کر دل کی پھانس بنی ہوئی سینے کو جلاتی اور خون کو کھولاتی رہتی ہے۔ یہ ایک کمزور اور نحیف و نزار سکتے ہوئے ایمان کی علامت ہے جو سہولت ہو تو چار قدم چل لیتا ہے اور دشواری ہو تو ٹھٹھک کر کھڑا رہ جاتا ہے۔ جسے ظاہری طور پر پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے ایمان والے کارکن کو اگر شبہ ہو کہ باطل اور اس کے کارندوں کو اس پر تحریکِ اسلامی کا ہمدرد ہونے کا گمان ہے، تو وہ اپنے اوپر بے خبری، بے نیازی، لائق اور عدم دلچسپی

کے کئی کئی نیا ذرے یکے بعد دیگرے اوڑھ لیتا ہے اور صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ اُس کا کسی دعوت و تخریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے نزدیک تخریک سے تعلق کا مفہوم صرف ذہنی وابستگی ہوتا ہے اور اس طرح تخریک کے لیے اس کے وجود کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

تخریک کی قوت کے مختلف دائرے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کی حقیقی قوت وہی لوگ ہوتے ہیں جو صدفِ دل میں کھڑے ہو کر نظامِ باطل سے براہِ راست پنجرہ کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے اندر بھی نظم کے پابند کارکنوں اور دل و جان کے کارکنوں کا فرق موجود ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تخریک کے محسنین، یعنی دل و جان کے کارکنوں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ دل و جان کے کارکن ہی تخریک کے انجن کا کام دیتے ہیں اور انہی کے کردار اپنے دوسرے ساتھیوں کے لیے نمونے کے مثالی کردار ہوتے ہیں۔ انہی کی قربانیاں تاریخ میں بیان کی جاتی اور منبر و محراب اور جلسوں اور پلیٹ فارموں سے دہرائی جاتی ہیں۔ انہی کے کارناموں کے بیان سے تروخون گرم ہوتے ہیں، ٹھنڈے جذبات جوش میں آتے ہیں، بند جیبیں انفاق کے لیے کھلتی ہیں اور انہی کا طرز عمل تخریک کی منجملہ فضا میں گرمی اور تیز روی کا خون دوڑاتا ہے۔ دنیا کی عظیم ترین اسلامی تخریک کے قائد فرماتے ہیں: مجھے عجزت کا حکم ہو گیا ہے، میسرے پاس لوگوں کی جو امانتیں محفوظ ہیں انہیں واپس کرنے کے لیے میرے پیچھے کون میری جگہ میرے بستر پر آج کی رات سوئے گا؟ وہ بستر جس پر قریش کے شمشیر زن اُس رات تلواریں برسائے والے تھے۔ ایک نوجوان موت کے بستر پر اُس رات سوئے کے لیے بے دھڑک تیار ہو جاتا ہے۔ وہ بستر اس رات تاریخِ عریضت کا بستر تھا۔ وہ نوجوان کہتا ہے کہ اتنی ٹھنڈی اور میچی نیند تو مجھے اس سے پہلے کبھی نہ آئی تھی جو اس رات آئی۔ اس کی یہ بات تاریخ کے سینے پر ثبت ہو جاتی ہے۔ وہ کردار تاریخ کا سہرا بن جاتا ہے، وہ کردار مثالی بن جاتا ہے۔ آج ہم کسی اسلامی تخریک کے اندر بڑھتی ہوئی سردی اور انجماد کو اس کردار کی دی ہوئی گرمی سے دور کر سکتے ہیں۔

اسلامی تخریک کے قائد کفار کے خلاف لشکر مرتب کر رہے ہیں، کفر و اسلام کا بہت بڑا فیصلہ کن معرکہ سلطنتِ روم کی سرحد پر ہونے والا ہے۔ تخریک کی طرف سے ایثار و قربانی کا ہر کس سے مطالبہ ہے۔ لوگ اپنے اپنے مال لیے چلے آ رہے ہیں۔ حسبِ حیثیت، حسبِ جذبہ و توفیق، کوئی آدھا کھراٹھا لایا ہے اور کس نے پورا گھبرمیٹ کر خدا کے لیے تخریک کے دامن میں لا ڈالا ہے اور اس سوال پر کہ اپنے لیے کیا رکھا ہے یہ جواب

مٹا ہے کہ

۵ پروانے کو چراغ تو بلبل کو چھول بس
صدیقی کے لیے ہے خدا کا رسول بس

یہ جواب تاریخ کا سراپہ بن جاتا ہے۔ دوسروں کے لیے عمدہ مثال بن جاتا ہے۔

ایک صاحب بھینپتے شرماتے دامن میں کوئی شے ڈالے چلے آرہے ہیں، تخریک کے عظیم مقصد اور دپیش محرک ہیں مالی امداد کے لیے رات بھر ہٹ چلا کر مزدوری کی ہے، اب ماتحتوں کے چھالے چھپائے دامن میں تھوڑی سی کھجوریں ڈال کر تخریک کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ اتنے بڑے مال کے ڈھیر کے سامنے کھجوروں کے چند دانے کیا حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان دانوں کی اوٹ میں ایثار و قربانی کا جذبہ اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بلند ہے جو ہر کسی کو نظر آئے یا نہ آئے، لیکن تخریک کے قائد کو تو صاف نظر آ رہا ہے اور وہ چھوٹے بڑے سارے ڈھیر پر حاصل ایثار قرار دے کر بکھیر دیے جاتے ہیں۔ وہ شخص بھی تاریخ کا مثالی کردار بن جاتا ہے۔

ان مثالی کرداروں سے صدیوں بعد تک لوگ عزمیت و استقامت، جذبہ و توانائی اور حرکت و قوت کا سبق سیکھتے ہیں۔ ایک صاحب تخریک کے لیے اپنے کا فر والد سے تلوار لے کر الجھ پڑتے ہیں۔ ایک صاحب تلوار لے کر اپنے کا فر بیٹے کے قتل کے ورپے ہو جاتے ہیں۔ ایک صاحب اپنا سارا مال و متاع راہِ حق میں لٹا کر اور دامن جھاڑ کر سفرِ ہجرت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک صاحب جو ریشم و کھنواہ میں کھیلتے تھے اب جسم پر بوریر لپیٹے پھرتے ہیں۔ ایک خاتون اپنے جگر پاروں کی شہادت پر شکرِ خدا بجالا رہی ہیں کہ وہ اللہ کے راستے میں کام آئے۔ وہ شہیدوں کی ماں بن گئی۔ ایک صاحب گلیوں میں اذانِ دعوتِ حق بلند کرنے کے جرم میں پتھروں سے زخمی کیے جا رہے ہیں۔ یہ عین کشمکشِ حق و باطل کی منبرِ ہار میں جان ہتھیلی پر رکھے کشمکش کرنے والے اور تختِ یاسختہ کا نعرہ لگا کر زندگیوں کو ہتھیلی پر رکھے موجودہ مثالی لوگ ہیں۔ یہ تاریخی کردار ہیں۔ یہ مثالی کردار ہیں۔ ان کو دیکھ کر تاریخ میں جان پیدا ہوتی ہے۔ ان کے وجود سے دنیا میں نصب العین سے عشق کا معیار قائم ہوتا ہے اور اس کی محبت کا زنگ نمایاں ہوتا ہے۔ ان کی کوشش اور مرضی سے تاریخ اپنا دھارا بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ تاریخِ انسانیت کا خزانہ، اس کا جوہر، اس کا کھن اور اس کا سرسبز اثاثہ ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ بہت ہوں تو تخریک کی رفتار تیز تر اور اس کی قوتِ جہادِ برقی کی مانند تیغ بڑاں ہوتی ہے۔ یہ لوگ مناسب حد تک ہوں تو تخریک اپنی فطری رفتار سے آگے بڑھتی رہتی ہے۔ یہ لوگ کم ہو جائیں تو تخریک

اُوٹ گھسنے لگتی ہے اور اس کی رگوں کا خون منجمد ہونے لگتا ہے۔ یہ لوگ مفقود ہو جائیں تو تخریک کو استعمال و انحطاط سے اور اس کی صفوں کو جمود و انجماد سے کوئی شے نہیں بچا سکتی۔ ایسے لوگ تخریک کے ماتھے کا جھومر ہوتے ہیں۔ اس کی رگوں کا خون حیات ہوتے ہیں۔ انہیں ضائع کر دینا یا انہیں پیچھے پھینک کر بے غیر یا ضعیف الایمان لوگوں کو آگے لانا، جیسا کہ اسلامی تاریخ کے دَورِ طوگیت میں ہوا، تخریک کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے اور جو تخریک ایسے لوگوں سے بے نیاز ہو جاتی ہے تاریخ ایسی تخریک سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔ مغز ہر باشعور اور مخلص تخریک کی تاریخ ایسے لوگوں کا انتظار کرتی رہتی ہے۔ وہ لوگ آئیں تو تخریک آگے بڑھتی ہے اور اگر وہ نہ آئیں تو تخریک نشانِ عبرت بن کر تاریخ کا عیار بن جاتی ہے۔

یکساں حرکت، علامتِ جمود | تخریکوں کے لیے یکساں گئے بندھے پروگرام پر مسلسل اور پیہم چلنے رہنا، رفتار کا زہل یا اضافے کا کوئی خصوصی اہتمام نہ کرنا، نصب العین تک پہنچنے کے لیے حدودِ کار میں رہتے ہوئے مختلف النوع تدابیر اختیار نہ کرنا، مہمات کے ذریعے کارکنوں کو فعال و بیدار و مستعد رکھنے کی کوشش نہ کرنا اور انہیں ایک ہی رفتار سے چلاتے چلے جانا، حرکت کا اس نوعیت کا یکساں تسلسل بھی بذاتِ خود جمود کا باعث بن جاتا ہے۔ سائنس بھی حرکت کے اس یکساں تسلسل کو علامتِ جمود ہی قرار دیتی ہے۔ اجرامِ فلکی اپنی رفتار کی اس یکساںی کے باعث ہل تیز رفتاری کے باوجود ٹھہرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسی حرکت قیبحہ خیز ہونے کی بجائے بتدریج خود مقصد بن کر رہ جاتی ہے اور رفتار کا بڑھانے کے منصوبے بھی کارکنوں کو تیز تر کرنے سے قاصر رہتے اور مقصدِ جمود و انحطاط کو ہی پورا کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ تخریک کو اس انداز اور اس رفتار سے لیے چلنا اور اسی انداز سے اُسے قائم رکھنا ہی مقصود بالذات بن جاتا ہے۔ جب یہ صورت بن جاتی ہے تو اس رفتار کا قائم رکھنا بھی درحقیقت ممکن نہیں رہتا، اور مہماتی انداز میں خصوصی جدوجہد کر کے رفتار کو تیز تر نہ کرنے کا نتیجہ رفتار کی کمی کی صورت میں نکلنے لگتا ہے اور جب کوئی گاڑی ایک دفعہ ایک خاص رفتار قائم کر لیتی ہے تو پھر وہ ٹھہراؤ کی سمت مسلسل حرکت کرنے لگتی ہے۔ اس کے بعد اس کے بتدریج ٹھہرتے چلے جانے اور بالآخر ایک نقطہ سکون پر پہنچ جانے کو معمول کی کارگزاریاں نہیں ختم سکتیں جب تک خصوصی کوشش کر کے حرکت کو جھٹکوں (JERKS) اور مہمات کے ذریعے بڑھانے کا خصوصی اہتمام نہ کیا جائے۔ خصوصی تدابیر سے بڑھائی ہوئی حرکت ہی دیکھنے والوں کو متاثر کرتی اور اس کے ساتھ حرکت کرنے والوں کو مطمئن کرتی ہے ورنہ مسلسل ساتھ چلنے والے بھی مطلوبہ نتائج سے دُور می کے تصور سے چلنے کی بجائے گھسنے لگتے ہیں اور تخریک جمود کا شکار ہوتی چلی جاتی ہے۔

یہ بات ہر تحریک کے چلانے والوں کی اپنی بصیرت پر مبنی ہوتی ہے کہ وہ تحریک کو فعال و بیدار رکھنے کے لیے نئے سے نئے پروگرام بنائیں۔ اسے نئی سے نئی حرکت دیں۔ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے فاصلے کو چھوٹی چھوٹی مسافتوں میں تقسیم کریں اور ان مسافتوں کو طے کرنے کے لیے تحریک کے سامنے چھوٹی چھوٹی مہمات رکھیں۔ تحریک میں پروگراموں کی اس کیسائی کو بار بار رفع کریں جو جمود بن سکتی ہو۔ تحریک کے اصولی کردار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے اجتماعی ڈھانچے کو مختلف ذرائع سے حرکت میں رکھیں۔ اس امر کا امتیاز قائم رکھیں کہ تحریکوں کے معمول کے داخلی پروگرام ہی ان کے حقیقی پروگرام نہیں کر رہ جائیں۔ جیسے کھانا جسم کی نشوونما کے لیے تو ضروری ہے لیکن خود جسم کسی اور مقصد کے لیے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھانا جسم کے لیے اور جسم کھانے کے لیے منتض ہو کر ایک دائرے کی گردش لیل و نہار میں بندھ جائیں اور پھر جسم کسی منزل تک نہ پہنچ سکے اور اپنی ہی گردش میں گم ہو کر رہ جائے۔

اس نوعیت کی مثال کے لیے ہمیں دنیا کی ہر اجتماعی جدوجہد میں نظیریں مل سکتی ہیں، لیکن انہیں چھوڑ کر ہم خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت و تحریک پر نظر ڈالیں تو ہمیں وہاں اس کی نہایت عمدہ مثالیں دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً تین سال کی خفیہ دعوت کو ترک کر کے اچانک پورے شہر کے لوگوں کو جمع کرنا اور ان کے سامنے ایک خاص انداز میں دعوت پیش کرنا ایک بہت بڑی پیش قدمی تھی۔ پھر کچھ عرصے بعد ایک پروگرام کے تحت دعوت کے کارکنوں کی ایک بڑی تعداد کا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کے پردیس کی طرف ہجرت کر جانا اور گھر گھر میں اور دُور و نزدیک میں اس بات کا چرچا پھیل جانا ایک اور پیش قدمی تھی۔ پھر معراج کے واقعہ کا چرچا اور مجالس میں دُور و نزدیک اور ہنگامے بھی ایک اور بڑی ضرب تھی۔ پھر پوری جماعت کا ایک مورچہ چھوڑ کر دوسرے مورچے پر چلے جانا اور دشمنوں کے لیے محاذ آرائی کی کسی کیفیت پیدا کر دینا تو ایک زبردست انقلابی اقدام تھا۔ پھر بخاری قافلہ کو جو زم چارہ تھا، چھوڑ کر فوجی کارروائی کا راستہ اختیار کرنا تحریک کے لیے شجاعت و بہادری کا عظیم مثال کارنامہ تھا۔ اسی طرح شہر کے اندر رہ کر مقابلے کے بجائے کھلے میدان میں زور آزمائی کا فیصلہ بھی اظہارِ قوت کا عمدہ مظاہرہ تھا۔ اور پھر سارے عرب کے اُمتڈ آنے پر احزاب کے درمیان بھونٹ ڈولانے کی کامیاب تدابیر بھی حکمتِ کارکنانہ ثابت ہوئیں۔ غرض اس تحریک کی ۲۳ سالہ جدوجہد میں ہم مختلف مواقع پر ایسی ایسی تدابیر کو بردے کار آتے دیکھتے ہیں جو پوری جماعت کو سوکنا، بیدار، مستعد، چاق و پوبند اور جان فروش بنانے کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی تھیں۔ تحریک کے دورِ ثانی میں جب وہ محاذ آرائی کے مورچے پر پہنچ چکی ہے صرف نو سال کے عرصے میں تراسی (۸۳) سے زائد معرکے اور مہمات تاریخ میں درج ہیں۔ ایسے فعال گروہ میں جمود اور علم دلچسپی

پیدا ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہاں تو حرکت اتنی تیز، کشمکش اتنی جانگسل اور جدوجہد اتنی زور دار ہے کہ کسی کے لیے ٹھہراؤ اور جماؤ اور پڑاؤ کی کوئی مہلت ہی نہیں ہے۔ پھر تحریک کی اپنی انفرادیت اتنی بے پایاں ہے کہ اس کے بارے میں ایک طالع آزمائے کا دور دورہ تک گمان نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سب سے منفرد، سب سے مختلف، اور سب کے لیے واضح لائحہ عمل رکھنے والا ایک جاننا زگرہ ہے جسے اپنے پاؤں پر خود جدوجہد کرنی ہے اور اپنے نتائج اپنی جدوجہد سے خود برآمد کرنے ہیں۔ وہ تحریک ایک آگاہی کی طرح نہیں ہے جو کسی درخت کا سہارا لے کر کھڑی ہو بلکہ وہ خود تن آدر درخت ہے جس کے سایہ میں صحرائی نشین اگر دم لیتے اور قلب و ضمیر کی خشکی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح وہ تحریک اپنے مختلف مراحل کے اعتبار سے آگے بڑھتی ہوئی ایک ایسی سرگرم قوت ہے جو ہر دم تیز تر ہے اور اس کی پیش قدمیوں میں یکسانی اور جمود کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ سراپا حرکت ہے اور ہر حرکت کے بعد دوسری حرکت پہلی سے تیز تر ہے۔

میری رائے میں کسی تحریک کی با بصیرت قیادت کا سب سے پہلا فریضہ یہی ہوتا ہے کہ وہ تحریک کو جمود کی ڈگر پر نہ پڑنے دے۔ جس طرح کچے راستے پر چھکڑا اپنی ہی بنی ہوئی لکیر کا پابند ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر اس کے لیے اس میں سے نکلنا اور اپنی رفتار بڑھانا ممکن نہیں رہتا، اسی طرح اگر کوئی تحریک اپنے ہی بنائے ہوئے ذرہ کے داخلی پروگرام میں مجبوس ہو کر رہ جائے اور کوئی انقلابی اقدام نہ کر سکے تو اسے جمود کا شکار ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

باہمی تعلقات کی ناخوشگوارمی | جمود کے بہت سے اسباب ہیں سے ایک نہایت ہی اہم سبب کارکنوں کے باہمی تعلقات کی ناخوشگوارمی بھی ہوتی ہے۔ مطلوب اور معیاری چیز تو یہی ہے کہ تعلقات انتہائی خوشگوار ہوں۔ محبت و الفت اور رفاقت و مودت کا جذبہ افراد کو باہم جوڑے ہوئے ہو، اور شیطان کو دخل اندازی کا کوئی موقع پیش نہ آئے۔ لیکن انسانوں کے درمیان یہ بھی ایک فطری صورت ہی ہے کہ ان میں باہمی غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں، تعلقات ناخوشگوار ہو جائیں اور باہمی کھینچاؤ اور تناؤ پیدا ہو جائے۔ اس سے آگے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں اور وہ قوانین جو باطل کو گرانے اور دشمن کو زیر کرنے پر مرف ہوتی چاہئیں، ایک دوسرے کو گرانے، ہٹانے اور الجھنے میں صرف ہونے لگتی ہیں اور آگے بڑھنے کا عمل رک کر پیچھے ہٹنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح تحریک کی بہت سی قوت بکھر کر رہ جاتی ہے۔ اس سے تحریک کی ہوا اکھڑنے لگتی ہے اس کا بھرم اور وزن کم ہونے لگتا ہے۔ اس کا رعب اور دفا رگھٹنے لگتا ہے اور جو کام صرف اس کے نام کے زور سے ہو سکتے تھے اب وہ اس کے وزن اور

کوشش سے بھی ہونے مشکل ہو جاتے ہیں، اور دشمنوں کی مجلسوں میں اس کا مذاق اُڑنے لگتا ہے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَاسْمُوهُ وَلَا تَنَازَعُوا فْتَفَشَلُوا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الصَّابِرِينَ

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

ادریوں بھی اللہ تعالیٰ نے اسلامی تحریک کے ساتھیوں کو باہم بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ خود حضور نے بھی مختلف مواقع پر اور مختلف پیرائے میں اسلامی تحریک کے ساتھیوں کے درمیان محبت و الفت کو ایمان کا جزو لاینفک قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا:

”تم اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کر دو گے“

حضور نے اپنی نوبانوں والی حدیث میں بھی اپنے ذاتی طرز عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”جو مجھ سے کٹے ہیں اس سے جڑوں، اور جو مجھ کو حق سے محروم کرے میں اس کا حق اس کے

دوں، اور جو میرے اوپر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں“

پھر قرآن نے بھی حضور کے ساتھیوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ:

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

دکفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں)

ان واضح ہدایات کے باوجود انسانی فطرت کی کمزوریوں کے باعث تحریک میں نزاعات رونما ہو سکتی ہیں،

کارکنوں میں ایک دوسرے کے متعلق غلط فہمیاں اور باہم بد مزگیوں بھی پیدا ہو سکتی ہیں، اور بسا اوقات وہ شدید

صورتیں بھی اختیار کر سکتی ہیں۔ لیکن اگر کارکنوں میں بنیادی طور پر خدا ترسی و حق پرستی اور مقصدِ تحریک کے ساتھ

مخلصانہ وابستگی موجود ہو، اور تحریک کے نظام میں رفع نزاعات کا انتظام بھی مؤثر طریقے سے کام کرتا رہے تو

کوئی دیر پا شرابی رونما نہیں ہو سکتی اور نہ تحریک کی پیش رفت میں کوئی غلط واقعہ ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر

کارکن بربخوت اور نفسانیت میں مبتلا ہوں، مقصدِ تحریک کی بنسبت اپنی ذات کو اولیت دیتے ہوں اور تنظیم میں

بھی رفع نزاعات کا کوئی مؤثر انتظام نہ ہو، نہ کارکنوں کے اندر مقصدی وحدت کو برقرار رکھنے کے لیے عملی اور فطری تدابیر اختیار کی جائیں تو ناخوشگوار تعلقات میں اضافہ اور باہمی کھینچاؤ کا عمل دخل ہونا چلا جاتا ہے جس سے تحریک کی رفتار کارآمد نہیں رہتی اور اس کی گاڑی صحیح سمت میں چلنے کی بجائے استعمال و اعطاط کا شکار ہو کر بعض اوقات سمتِ سفر تک بدل جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے نزاعات سے تحریک کو زبردست نقصان پہنچتا ہے۔

اجتماعی زندگی کے اندر انسانی تعلقات میں ناخوشگوار سے بعض اوقات اتنا بڑا نقصان نہیں پہنچتا، جتنا بڑا نقصان بگاڑ کو زندہ اور تازہ رکھنے کے رجحان اور سلجھانے والے عوامل کو بروئے کار نہ لانے سے پہنچ جاتا ہے۔ اصلاحِ ذاتِ البین میں تاخیر اور اس سے بے رخی معاملات کو اور الجھا دیتی ہے۔ اس سے تعلقات کی کشیدگی کے جذباتی زخم مندمل ہونے کی بجائے اور گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں، اور تحریک کی قیادت ضابطہ بندی کا شکار ہو کر انسانی نفسیات میں مزید الجھاؤوں کا باعث بن جاتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اگر تحریک

کے کارکن بے نفسی سے اور اس کے قائدین حکمت سے بہرہ ور ہوں تو وہ نہایت آسانی سے فریقین کے ساتھ شخصی رابطہ پیدا کر کے اپنے شخصی اثرات استعمال کر کے اور اپنے تعلقات اور تحریک کی جھلٹی کا واسطہ بن کر گڑھے ہوئے تعلقات کو سدھار دیتے ہیں اور کشیدگی کو خوشگوار سے بدل دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسانی تعلقات کو جاندار انسانی عمل سے ہی سدھارا جاسکتا ہے، بے جان ضابطے اور محض تنظیمی روابط انسانوں کو بانڈھ تو سکتے ہیں لیکن انہیں جوڑ نہیں سکتے۔ جوڑنے والی چیزیں محبت و اخوت، مدد و تعاون، دکھ درد میں شرکت، سہار و مدد، ایثار و قربانی اور ”دل بست اور کرج اکر است“ کا وہ طرزِ عمل ہے جس میں انسانی قلب و جگر کی حرارت محسوس ہوتی ہو۔ پیغمبروں کو جوڑنا بلاشبہ مشکل ہوتا ہے۔ لیکن ان انسانوں کو جوڑنا جو غلوں قلب اور بے لوثی کے ساتھ ایک نصب العین کی ڈوری سے باہم بندھے ہوئے ہوں زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ اگر کسی گروہ کے افراد کی ذہنیت، اور اس کے نظم کی قیادت سمجھیوں میں باہمی تعلقات کی خوشگوار سے پیدا کرنے اور قائم رکھنے سے بھی قاصر ہو، اور جو زخم کہیں لگ جائے اُسے کُیرنے اور گھاؤ بڑھانے کی خصوصیت

تو رکھتی ہو لیکن اسے مندمل کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو تو پھر ہر نزاع ایک دُوری، اور ہر اختلاف ایک بگاڑ پر منتج ہوتا ہے اور ایسا بدنصیب گروہ بتدریج بگاڑ اور انتشار اور جھوٹا شکار ہونا چلا جاتا ہے۔ قرآن کی بے شمار آیات اور حضور اکرم کے بے شمار ارشادات اسلامی اجتماعی زندگی میں تعلقات کی درستگی کی تعلیم دیتے اور تعلقات میں ناخوشگوار سے پیدا کرنے والے عوامل سے روکتے ہیں۔ ان تعلقات کو تباہ

کرنے والی اور سب سے بڑی بلا غیبت اور چغل خوری ہے۔ کس کا تسمیر اڑانا اور اس کے بارے میں غلط فہمیاں اور سوڈن مچیلانا ہے۔ بہتان تراشی اور دل آزاری تعلقات کو کاٹنے والی قینچیاں ہیں۔ افواہ بازی اور اس پر یقین کر کے بلا ثبوت اُسے آگے پھیلانا ہے۔ اجتماعی زندگی میں بعض افراد کی بعض افراد کے خلاف جھجھندی اس اجتماعیت کو تباہ کرنے کے مترادف اور ایک بے غرض بے لوث اسلامی اجتماعیت کا تقدس برباد کرنے والی حرکت ہے۔ ظاہر ہے کہ تعلقات کو سدھارنے والی چیز باہمی ہدیوں کا تبادلہ، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت، ایک دوسرے کی عزت و ابرو کا تحفظ، محبت و خوش اخلاقی سے باہمی ملاقات اور شکایات کو رفع کرنے کا موثر اہتمام ہے۔ یہ نہ ہوگا تو لوگ ایک دوسرے سے بدظن اور بددل ہو کر پھٹتے اور ایک ایک کر کے بیٹھتے چلے جائیں گے اور پوری اجتماعیت بتدریج ہموک و کاشکار ہو کر رہ جائے گی۔

(باقی)